AJIS

Aligarh Journal of Interfaith Studies(AJIS)

International Peer Reviewed, , Open Access Journal
ISSN: (in process) | Impact Factor | ESTD Year 2020

HOME | ABOUT us | CURRENT ISSUE | ACHIEVES | INDEXING | SUBMIT PAPER | AUTHOR GUIDE | CONTACT

سر سید کا مذہبی و تمدنی سیاق

(سر سیدؒ کے افکار کا مطالعہ)

DR.OBAIDULLAH FAHAD
Professor, Ex Chairman
Department of Islamic Studies, Aligarh Muslim University, Aligarh,
Email:drfahadamu60@yahoo.in

پروفیسر عبید اللہ فہد

ARTICLE DETAILS

Article History
Published Online:
Published_
Keywords
Sir Syed and National Integration

ABSTRACT

سر سید کی فکر شاہ ولی اللہ سے متاثر ہے اور جس علم کلام جدید کی بنیاد شاہ ولی اللہ نے ڈالی تھی، اس کو سر سید نے پروان چڑھایا۔

اور ہندوؤں سے اشتراک و تعاون کی نظریہ کاری ان کی تحریروں اور خطبات کا سر فہرست موضوع ہے۔ لیکن کفار سے موالات کے سلسلے میں قرآن کا خاص نظریہ ہے۔ مسلمان مذہبی طور پر نہ موالات رکھ سکتا ہے لیکن یہ سماجی موالات سے الگ ہے۔ قرآن کفر کو موجب عداوت قرار نہیں دیتا نہ کفّار سے حسن معاشرت اور عدل وانصاف کرنے سے منع کرتا ہے وہ

International
Peer-Reviewed Journal
August 2020, Volume 1, Issue 3

سر سید کو سکولر قوم پرست قرار نہیں دیا جاسکا تا۔ وہ مسلمانانو کا تشخص بھی چاہتے تھے۔ سر سید کی کانگرس کی مخالفت کا سبب مذہبی نہیں سیاسی تھا۔ لیکن وہ ہندو مسلمان اتحاد کے حامی تھے۔ ہندو و اور مسلمانوں میں ارتباط کے سلسلے میں سر سید نے اس خواہش کا اظہار کیا ہے کہ ہندووں اور مسلمانوں میں ارتباط، محبت اور سماجی تعامل ہو۔ دونوں ساتھ رہے ہیں۔ ۔ ہندووں پر مسلمانوں کی تہذیب اور عقیدہ کا اثر ہوا اور مسلمانوں نے اپنے تمدنی و سماجی معاملات میں بہت سی چیزیں ہندووں سے مستعار لیں اور دونوں نے ہندوستان کی موجودہ تہذیب مل کر تشکیل دی۔ سر سید نے یہ بھی لکھا: "ہماری بھی مدت سے یہی رائے ہے کہ اگر گائے کی قربانی ترک کرنے سے آپس میں ہندو اور مسلمانوں کی دوستی اور محبت قائم ہو تو گائے کی قربانی نہ کرنا اُس کے کرنے سے ہزار درجہ بہتر ہے۔"

اصلاح و تجدید کا تسلسل

کوئی مفکر، دانش ور اور ادیب خلا میں رہ کر کوئی فکری کاوش پیش نہیں کرتا۔ وہ لا محالہ تاثیر و تاثر کے ہر دو عمل سے گزرتا ہے۔ کچھ افراد پر اپنے تاثرات کے نقوش مرتسم کرتا ہے اور کچھ اسلاف اور معاصرین کے اثرات وہ خود قبول کرتا ہے۔ سر سید احمد خاں (1817-1898ء) کی تحریروں میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (1703-1762ء) کے حوالے کثرت سے ملتے ہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جدید ہندوستان میں جس نئے علم الکلام کی بنیاد اس عبقری شخصیت نے ڈالی تھی اور اسلامی عقلیات کی جو تشکیل جدید کی تھی اس کی توسیع اور اس میں اضافہ سر سید احمد خاں نے اپنے دور میں کیا۔(1)

شاہ ولی اللہ دہلوی کے افکار سے بنیادی طور پر متاثر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ سر سید ہندوستان میں اصلاح و تجدید کے اس سلسلۃ الذہب سے تعلق رکھتے تھے جس کی تاسیس شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی (1564-1624ء) نے کی اور اس کی توسیع و تعمیق شاہ ولی اللہ دہلوی نے۔ ان کی اصل مشکل یہ تھی کہ وہ زمانہ کے تقاضوں کا بھرپور ادراک رکھتے تھے اور فکر اسلامی کی تشکیل میں بدلتے حالات کی مکمل عکاسی چاہتے تھے اور دوسری طرف

International
Peer-Reviewed Journal
August 2020, Volume 1, Issue 3

اسلامی شناخت اور اسلامی عقائد و تعلیمات کی اس ادراک کی بھینٹ چڑھتے دیکھنا انہیں گوارانہ تھا۔ اپنے دیگر معاصرین کی طرح ان کے لیے آسان تھا کہ قومی تحریک آزادی کے دوسرے رہنماوں کی مانند وہ بھی اسی فکر و نظر کو اختیار کر لیتے کہ : "قشقہ کھینچا، دیر میں بیٹھا، کب کا ترک اسلام کیا

وہ قومی تحریک آزادی کے سورما بن جاتے اور خدا نے جس فکر و نظر، ذہانت و دیانت، ریاضت و وابستگی کی خصوصیات سے انہیں نوازا تھا ان کی بنا پر وہ یقیناً قافلہ سالاروں کی فہرست میں ہوتے مگر ملت اسلامیہ ہند کی اصلاح و تجدید کا ان کا خواب کبھی شرمندہ تعبیر نہ ہوتا۔ وہ خود ایک سچے عاشق رسول اور مخلص دیندار مسلمان تھے اور اپنی مرحوم امت کو اسی ڈگر پر دیکھنا چاہتے تھے اسی لئے حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کی الٰہیات اسلامیہ کی تشکیل کا سب سے زیادہ اثر انہوں نے قبول کیا۔

شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور سر سیّدؒ نے اسلام کے تابندہ ماضی کی سنہری ڈور کو حال و مستقبل سے جوڑنے کی کوشش کی۔ وہ کوئی مورخ نہ تھے کہ تاریخ اسلامی کے درخشاں واقعات کو قلم بند کر کے بیٹھ جاتے۔ وہ مصلح و متکلم تھے۔ انہیں ماضی کی روایات کو دوبارہ قائم کرنا تھا۔ اسلام کی تعلیمات کا احیا کرنا اور مسلمانوں کی شوکت رفتہ کو بحال کرنا تھا۔ فرق دونوں مصلحین و مفکرین کے حالات میں تبدیلی اور امت مسلمہ کی ستم رسیدگی میں درجہ و تناسب کا تھا ۔شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے دور میں مسلم اقتدار متزلزل تھا اور اسلامی فکر کی عمارت معاشرہ کی بوسیدہ روایات و رسوم پر استوار ہونے کی وجہ سے فرسودگی اور کہنگی کی لپیٹ میں تھی۔ انہیں مسلم اقتدار کو استحکام کی جانب لانے کے لیے جدوجہد کرنا تھا اور ایک نئے علم الکلام کی تشکیل کرنا تھی جس میں مقاصد شریعت کی کارفرمائی ہو۔ تعقّل اور ادراک کے عناصر ہوں اور اسلام کے احیا کے امکانات روشن تر ہوں۔

سر سیّدؒ کا دور برطانوی اقتدار کے روبہ زوال ہونے کا دور ہے۔ قومی و وطنی تحریکوں کے آغاز اور مستقبل کے ہندوستان میں ہندو-مسلم مفادات کے تحفظ کی منصوبہ بندی اور ملکی تعمیر و ترقی کے پروگراموں میں اُن کی

International
Peer-Reviewed Journal
August 2020, Volume 1, Issue 3

موزوں و تناسب حصہ داری کے لیے فکر مندی کا دور ہے۔ اسلامی اصلاح و تجدید کے ایجنڈے میں اسی لیے سر سید کا زور علوم جدیدہ کی تحصیل پر ہے اور ہندوؤں سے اشتراک و تعاون کی نظریہ کاری ان کی تحریروں اور خطبات کا سر فہرست موضوع ہے۔

کفّار سے موالات

اسلام ایک ایسے معاشرہ اور تمدن و تہذیب کی تشکیل کرنا چاہتا ہے جس میں مسلم و غیر مسلم سب کی شراکت ہو۔ سب کے حقوق محفوظ ہوں اور سب کی بنیادی آزادیاں بحال ہوں۔ قرآن کریم اس سیاق میں بنیادی ہدایات بھی فراہم کرتا ہے۔ سورہ الممتحنہ کا مطالعہ اس تناظر میں بڑا اہم ہے۔

سورہ الممتحنہ قرآن مجید کی موجودہ ترتیب کے مطابق 60ویں سورہ ہے اور اس کا نزول صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کے درمیانی دور میں ہوا ہے۔ صحابی رسول حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ نے فتح مکہ سے کچھ پہلے ایک خفیہ خط کے ذریعہ قریش کے سرداروں کو رسول اللہ ﷺ کے اس ارادے کی اطلاع بھیج دی تھی کہ آپ اُن پر حملہ کرنے والے ہیں۔ مگر رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ کو فوراً روانہ کیا کہ جو عورت یہ خفیہ خط لے کر مکہ جارہی ہے اُس سے ہر حال میں وہ خط حاصل کرو۔ آخر کار وہ خط قریش کے سرداروں تک نہ پہنچ سکا۔ حضرت حاطب رضی اللہ عنہ سے جب پوچھ کچھ کی گئی تو انہوں نے اپنی صفائی میں کہا کہ وہ کافر و مرتد نہیں ہوئے ہیں نہ اسلام کے بعد اب کفر کو پسند کرنے لگے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ اُن کے اقربا مکہ میں مقیم ہیں اور اس خط کے ذریعہ انہوں نے مکے والوں پر احسان کرنے کی کوشش کی تھی تاکہ اس احسان کا لحاظ کرکے سردارانِ قریش اُن کے بال بچوں کو نہ چھیڑیں۔ حضور اکرم ﷺ نے اُن کی معذرت قبول کرلی۔(2)

International
Peer-Reviewed Journal
August 2020, Volume 1, Issue 3

اس واقعہ کے پس منظر میں سورہ الممتحنہ نازل ہوئی اور دشمنانِ اسلام سے کسی قسم کا ساز باز رکھنے کی سختی سے ممانعت کی گئی۔ اس سورہ کے بالکل آغاز میں اہل ایمان کو نصیحت کی گئی کہ کفر واسلام کا جہاں مقابلہ ہو، اور جہاں کچھ لوگ اہل ایمان سے اُن کے مسلمان ہونے کی بناپر دشمنی کررہے ہوں، وہاں کسی شخص کا کسی غرض اور کسی مصلحت سے بھی کوئی ایسا کام کرنا جس سے اسلام کے مفاد کو نقصان پہنچتا ہو اور کفر و کفار کے مفاد کی خدمت ہوتی ہو، ایمان کے منافی حرکت ہے۔(3) فرمایا کہ خواہ اسلام کی بدخواہی کا جذبہ نہ ہو اور اپنی کسی شدید ترین ذاتی مصلحت کی خاطر ہی اگر کوئی یہ کام کرے تو وہ راہِ راست سے بھٹکا ہوا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَاۗءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَاۗءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ ۚ يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِيَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ ۭ اِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِيْ سَبِيْلِيْ وَابْتِغَاۗءَ مَرْضَاتِيْ ۚ تُسِرُّوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ ۚ وَاَنَا اَعْلَمُ بِمَآ اَخْفَيْتُمْ وَمَآ اَعْلَنْتُمْ ۭ وَمَنْ يَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاۗءَ السَّبِيْلِ

اِنْ يَّثْقَفُوْكُمْ يَكُوْنُوْا لَكُمْ اَعْدَاۗءً وَّيَبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ وَاَلْسِنَتَهُمْ بِالسُّوْۗءِ وَوَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ (الممتحنہ:1-2)

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، اگر تم میری راہ میں جہاد کرنے کے لیے اور میری رضاجوئی کی خاطر (وطن چھوڑ کر گھروں سے) نکلے ہو تو میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ۔ تم اُن کے ساتھ دوستی کی طرح ڈالتے ہو، حالانکہ جو حق تمہارے پاس آیا ہے اُس کو ماننے سے وہ انکار کر چکے ہیں، اور اُن کی روش یہ ہے کہ رسول کو اور خود تم کو صرف اِس قصور پر جلاوطن کرتے ہیں کہ تم اپنے رب، اللہ پر ایمان لائے ہو۔ تم چھپا کر اُن کو دوستانہ پیغام بھیجتے ہو، حالانکہ جو کچھ تم چھپا کر کرتے ہو اور جو علانیہ کرتے ہو، ہر چیز کو میں خوب جانتا ہوں۔ جو شخص بھی تم میں سے ایسا کرے وہ یقیناً راہِ راست سے بھٹک گیا۔

اُن کا رویّہ تو یہ ہے کہ اگر تم پر قابو پاجائیں تو تمہارے ساتھ دشمنی کریں اور ہاتھ اور زبان سے تمہیں آزار دیں۔ وہ تو یہ چاہتے ہیں کہ تم کسی طرح کافر ہو جاؤ۔)

International
Peer-Reviewed Journal
August 2020, Volume 1, Issue 3

تحسین فی الدّین کی حیثیت:

سر سیّد احمد خان نے ’کفا سے موالات‘ کے عنوان سے ایک مقالہ تحریر کیا اور بنائے استدلال درج ذیل قرآنی آیت کو قرار دیا:

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَاۗءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ۭ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ 28؁
قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ اَوْ تُبْدُوْهُ يَعْلَمْهُ اللّٰهُ ۭ وَيَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ 29؁ (آل عمران:28-29)

اِن آیات کا ترجمہ سر سیّد نے اس طرح کیا:

(نہ بناویں مسلمان کافروں کو دوست سوائے ایمان والوں کے اور جس نے ایسا کیا تو اللہ سے اس کے لیے کچھ نہیں مگر یہ کہ تم ان (کے شر) سے بچنے کے لیے ایک بچاؤ کرو۔ اور اللہ اپنے سے تم کو ڈراتا ہے اور اللہ کے پاس جانا ہے۔
کہہ دے (اے پیغمبر) اگر تم چھپاؤ گے جو کچھ تمہارے دل میں ہے یا اس کو ظاہر کرو گے اُس کو خدا جانتا ہے اور وہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔)

اس آیت سے انھوں نے یہ نتیجہ نکالا کہ ’کافروں کے ساتھ محبت یا دوستی فی الدین ممنوع ہے، یعنی کافروں سے اس وجہ سے دوستی و محبت کرنی کہ اُن کا دین اچھا ہے منع بلکہ کفر ہے اور اس کے سوا اور کسی قسم کی دوستی و محبت ممنوع نہیں ہے‘۔(4)

کفار سے موالات اور دوستی میں یہ تخصیص خود اس آیت سے ظاہر ہے۔ فاضل مضمون نگار کہتے ہیں کہ زیر بحث آیت میں درج ذیل ٹکڑا بڑا اہم ہے اور اس تخصیص کی نوعیت کو ظاہر کرتا ہے۔

وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ

(اور جس نے ایسا کیا تو اللہ سے اُس کے لیے کچھ نہیں۔)

International
Peer-Reviewed Journal
August 2020, Volume 1, Issue 3

اس ٹکڑے سے دوستی کرنے والے کا کفر لازم آتا ہے اور یہ نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ محبت منجّر بہ کفر نہ ہو اور وہ منجّر بکفر نہیں ہو سکتی جب تک کہ تحسین فی الدین نہ ہو۔(5) فاضل مضمون نگار نے اپنے موقف کی تائید میں ایک اور آیت نقل کی ہے۔

اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَىِٕنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ ۔ (النحل:106)

یعنی جس شخص نے جبر سے کفر کی بات کہہ دی ہے اور اس کا دل ایمان پر مطمئن ہے تو اُس کو کچھ عذاب نہ ہو گا۔

پوری آیت اس طرح ہے:

مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَىِٕنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ١٠٦ (النحل:106)

(جو شخص ایمان لانے کے بعد کفر کرے (وہ اگر) مجبور کیا گیا ہو اور دل اُس کا ایمان پر مطمئن ہو (تب تو خیر) مگر جس نے دل کی رضامندی سے کفر کو قبول کر لیا اس پر اللہ کا غضب ہے اور ایسے سب لوگوں کے لیے بڑا عذاب ہے۔)

اس آیت پر گفتگو کرتے ہوئے سر سیّد نے امام فخر الدین رازی (1149-1209ء) کی تفسیر کبیر کا حوالہ دیا ہے۔ امام رازی نے کافروں سے دوستی کی تین قسمیں قرار دی ہیں۔

1۔ کوئی مسلمان کافروں کے کفر کو پسند کرے اور کفر کے سبب اُس سے دوستی رکھے ایسی دوستی منع بلکہ کفر ہے۔

2۔ دنیاوی امور میں بحسب ظاہر معاشرت جمیلہ یعنی کافروں سے اچھا میل جول ہو اور یہ ممنوع نہیں ہے۔

3۔ کافروں کے ساتھ میلان ہونا اور اُن کی اعانت اور مدد اور نصرت کرنا بہ سبب قرابت کے یا محبت کے اس اعتقاد کے ساتھ کہ اُن کا مذہب باطل ہے، ممنوع ہے مگر کفر نہیں۔

International
Peer-Reviewed Journal
August 2020, Volume 1, Issue 3

سر سیّد امام رازی پر تنقید کرتے ہیں کہ تیسری قسم کی دوستی کی ممانعت کی جو وجہ انہوں نے لکھی ہے وہ ناکافی ہے۔ انہوں نے ممنوع ہونے کا سبب یہ قرار دیا ہے کہ اس طرح امداد و اعانت کا برتاؤ کبھی ان کی کفر کی پسندیدگی پر منتج ہوتا ہے، یہ سبب محض لغو اور خود اپنے خیال سے پیدا کیا ہوا ہے اس لیے یہ سبب مذہبی مسئلہ کی بنیاد نہیں بن سکتا۔ (6) مقالہ کے آخر میں منقول تمام روایات تفسیر کا نتیجہ وہ یہ بتاتے ہیں کہ "کفّار سے دوستی اور محبت من حیث الدین ممنوع ہے۔ اس کے سوا کسی قسم کی دوستی اور معاشرت و محبت و وفاداری اور امداد اور کسی طرح کی راہ و رسم مذہب اسلام کی رُو سے ممنوع نہیں ہے۔"(7)

کفر نہیں، ظلم باعثِ ترک:

سورہ الممتحنہ ہی کی تعلیم ہے کہ قرآن کفر کو موجب عداوت قرار نہیں دیتا نہ کفّار سے حسن معاشرت اور عدل وانصاف کرنے سے منع کرتا ہے وہ صراحت کرتا ہے کہ ترکِ تعلق اور مخاصمت کی بنیاد ظلم ہے جو کافر مسلمانوں کے ساتھ عداوت نہیں برتتا، اس کے ساتھ مسلمانوں کو بھی عداوت کا رویہ اختیار نہیں کرنا چاہیے کہ قرین انصاف یہی ہے۔ وجہ تنازعہ کفر نہیں، ظالمانہ روش ہے۔

لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ

Ď (الممتحنہ:1-2)

(اللہ تمہیں اس بات سے نہیں روکتا کہ تم اُن لوگوں کے ساتھ نیکی اور انصاف کا برتاؤ کرو جنہوں نے دین کے معاملے میں تم سے جنگ نہیں کی ہے اور تمہیں تمہارے گھروں سے نہیں نکالا ہے۔ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔)

International
Peer-Reviewed Journal
August 2020, Volume 1, Issue 3

اس کی بہترین تشریح وہ واقعہ ہے جو حضرت اسماء بنت ابو بکر رضی اللہ عنہ اوراُن کی کافرماں قتیلہ بنت عبدالعُزیٰ کے درمیان پیش آیا تھا۔ وہ ہجرت کے بعد مکہ ہی میں رہ گئی تھیں۔ صلح حُدَیبیہ کے بعد وہ تحائف کے ساتھ اپنی بیٹی سے ملنے مدینہ آئیں۔ حضرت اسماءخود روایت کرتی ہیں۔

قدمت اُمّی وھی مشرکۃ فی عھد قریش ومدّتھم اذعَاھَدُوا النبیﷺ مع اَبیھا فاستفتیت النبی ﷺ فقلت انّ اُمی قدمت وھی راغبۃ قال: نعم صلی امَّکِ (8)

(میری مشرک ماں، اُس زمانے میں جبکہ قریش نے نبی ﷺ سے صلح کا معاہدہ کرر کھا تھا، اپنے باپ کے ساتھ مدینہ آئیں۔ میں نے نبی ﷺ سے استفسار کیا۔ میں نے عرض کیا: میری ماں آئی ہوئی ہیں اور ملنے کی خواہش مند ہیں، کیا میں اُن سے حسن سلوک کروں؟ آ ﷺ نے فرمایا: "ہاں، اپنی ماں سے صلہ رحمی کرو"۔

بخاری شریف میں ایک اور دلچسپ روایت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی موجود ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بازار میں ایک ریشمی کڑھائی کا خوبصورت لباس بکتے ہوئے دیکھا تو رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: یارسول اللہ! اسے خرید لیجیے اور جمعہ کو یا جب باہر سے وفود آپ کی خدمت میں حاضری دیتے ہیں، اسے پہن لیا کیجیے۔ رسول ﷺ نے فرمایا:

انَّمَا یلبسُ ھٰذہٖ من لاخلاق لہ

یہ لباس وہ پہنتا ہے جسے آخرت میں کوئی حصہ ملنے والا نہیں۔

راوی کہتے ہیں کہ کچھ دنوں کے بعد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایسے بیش قیمت کئی لباس آئے۔ اُن میں سے ایک لباس آپ نے حضرت عمر کی خدمت میں بھیجا۔ انہوں نے عرض کیا کہ میں اس لباس کو کیسے پہن سکتا ہوں جبکہ آپ نے اس پر تنقید کی ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

انّی لم أُعطھا لتلبَسَھا ولکن تبیعُھا اوتکسوھا

(میں نے اسے پہننے کے لیے تمہارے پاس نہیں بھیجا بلکہ اس لئے بھیجا ہے کہ اسے فروخت کرلو یا کسی اور کو پہنادو۔)

International
Peer-Reviewed Journal
August 2020, Volume 1, Issue 3

راوی کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وہ لباس اپنے ایک مشرک بھائی کو مکہ بھیج دیا۔ اُس نے ابھی اسلام نہیں قبول کیا تھا۔(9)

کانگریس کی جارحانہ ذہنیت:

سر سیّد احمد خاںؒ نے انڈین نیشنل کانگریس کی سیاست، مقصد وجود، طریق کار اور نظام کی ہمیشہ مخالفت کی۔ اس علانیہ مخالفت کے دو بڑے اسباب تھے جو سر سیّد کے خطبات، مراسلات اور تحریروں سے عیاں ہیں:

1۔ وہ مسلمانوں کو سیاسی جوڑ توڑ سے دور رکھ کر جدید تعلیم کے لیے یکسو اور مرتکز دیکھنا چاہتے تھے۔ اُن کے نزدیک سیاسی صف بندی میں شمولیت سے قومی ترقی ہونے والی نہ تھی۔ انہوں نے زندگی بھر "تعلیم کی ترقی کو اور صرف تعلیم ہی کو ذریعہ قومی ترقی" تصور کیا۔(10)

2۔ کانگریس کی جارحانہ ذہنیت اُن پر بے نقاب تھی۔ اُس نے اپنے فرقہ وارانہ نظریہ کی حبّ الوطنی اور قومی اتحاد و سالمیت کے خوش نما اور دل فریب نعروں سے پردہ پوشی کر رکھی تھی۔ سر سیّد اس دام ہم رنگ زمیں میں پھنسنے والے نہ تھے کیونکہ ان کے ہاں اسلام کا مفاد دوسرے تمام مفادات پر غالب تھا اسی لئے جب بدرالدین طیّب جی (1844-1906ء) نے اجلاس مدراس میں کانگریس کی صدارت کرنے کے بعد سر سیّد کو خط لکھا اور انہیں انڈین نیشنل کانگریس کے مقاصد اور نظام کار کے تئیں مطمئن کرنے کی کوشش کی تو سر سیّد نے بے لاگ لپٹ کانگریس کی جارحیت پر تنقید کی۔

بدرالدین طیب جی نے اپنے مراسلے میں لکھا تھا کہ ہندو مسلمانوں سے زیادہ ترقی یافتہ ہیں اس لئے انگریزوں کی دی ہوئی مراعات سے طبعاً وہی زیادہ مستفید ہوں گے۔ ہندوؤں کی راہ روکنے سے زیادہ بہتر یہ ہے کہ

International
Peer-Reviewed Journal
August 2020, Volume 1, Issue 3

مسلمان خود ترقی کے میدان میں آگے بڑھنے کی کوشش کریں"اور کانگریس میں شامل ہو کر اُن تمام تجاویز کی مخالفت کریں جو مسلمانوں کے لیے من حیث الجماعت قابل قبول نہ ہوں"۔(11)

بدرالدین طیب جی کے خط کے جواب میں سر سیّد نے بڑی صراحت سے کانگریس سے اپنے اختلاف کا موقف بیان کیا:

"مدراس کانگریس میں آپ نے جو نمایاں حصہ لیا ہے اس سے ہمارے ہم ریاست ہندووں کا دل تو ضرور باغ باغ ہوا لیکن ہم لوگوں کو بلاشبہ اس سے حد درجہ ملال اور دکھ ہوا۔ کانگریس کے بارے میں ہمارے خیالات کے اظہار اور اس میں ہماری عدم شرکت کے اسباب بیان کرنے کا مناسب وقت تو کانگریس میں آپ کی شرکت سے پہلے تھا۔ جب وہ سب کچھ ہو چکا جسے ہونا تھا، تو اب اُس کا بیان لاحاصل ہے۔

"ہم ہندوستان کی قومی ترقی میں سدِّراہ ہونا یا مراعتوں سے فائدہ اٹھانے کے مستحقین کی راہ روکنا نہیں چاہتے اور اگر ہم ایسا کرنا بھی چاہیں تو اس میں کامیابی نہ ہو گی۔ بایں ہمہ اس دوڑ میں ہم کسی ایسے حریف سے مقابلہ کرنا بھی اپنے لیے ضروری نہیں سمجھتے جس سے ہمارے جیتنے کا امکان ہی نہ ہو"۔

"آپ کا یہ فرمانا بجا ہے کہ جہاں تک ہو سکے ترقی کے میدان میں خود آگے بڑھنا ہمارا فرض ہے لیکن پُرانے عقل مندوں کا یہ کہنا (مقولہ) بھی ہمیں نہ بھولنا چاہئے کہ

تا تریاق از عراق آوردہ شد مار گزیدہ مردہ شد

" میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ نیشنل کانگریس کے معنٰی کیا ہیں؟ اس کا یہ مطلب سمجھا جائے کہ مختلف ذاتوں اور مسلکوں کے لوگ جو یہاں بستے ہیں وہ ایک قوم ہیں یا ایک قوم

International
Peer-Reviewed Journal
August 2020, Volume 1, Issue 3

بن سکتے ہیں اور اُن کے مقاصد اور جذبات میں یکسانیت ہے؟ میرے نزدیک یہ ممکن ہی نہیں ہے اور جب یہ ناممکن ہے تو پھر نہ تو نیشنل کانگریس قسم کی کوئی چیز نہیں ہو سکتی اور نہ اس سے سب کو یکساں فائدہ ہی پہنچ سکتا ہے۔"

"کانگریس جسے یہ نام دیا گیا ہے اُس کے کاموں کو ہندوستان کے حق میں آپ سود مند سمجھتے ہیں لیکن میں صرف اپنے فرقہ کے لیے نہیں، پورے ہندوستان کے حق میں مضر سمجھتا ہوں۔"(12)

ہندوؤں سے ارتباط:

انڈین نیشنل کانگریس کی سیاست سے مسلمانوں کو دور رکھ کر سر سیّد انہیں ہندووں سے قریب دیکھنا چاہتے تھے۔ ان کے ایک فکر انگیز مقالے کا عنوان ہے۔

ہندو اور مسلمانوں میں ارتباط:

اس مقالے میں انہوں نے خوشی اور مسرت کا اظہار کیا ہے کہ ہندووں اور مسلمانوں میں ارتباط، محبت اور سماجی تعامل ہو۔ ہندووں کی آریہ قومیں بھی دوسرے ملکوں سے یہاں آکر فتح مندی کے ساتھ آباد ہوئیں اور مسلمان بھی صدیوں سے اسی زمین پر رہتے بستے آئے ہیں اور دونوں کی رسوم و روایات، عادات و اطوار، تقریبات اور سماجی مجلسوں میں افادہ و استفادہ کا عمل ہوا۔ ہندووں پر مسلمانوں کی تہذیب اور عقیدہ کا اثر ہوا اور مسلمانوں نے اپنے تمدنی و سماجی معاملات میں بہت سی چیزیں ہندووں سے مستعار لیں اور دونوں نے ہندوستان کی موجودہ تہذیب مل کر تشکیل دی۔

International
Peer-Reviewed Journal
August 2020, Volume 1, Issue 3

"پس جس قدر ان دونوں قوموں میں زیادہ تر محبت، زیادہ تر اخلاص، زیادہ تر ایک دوسرے کی امداد بڑھتی جاوے اور ایک دوسرے کو مثل بھائی کے سمجھیں، کیونکہ ہم وطن بھائی ہونے میں تو کچھ شبہ نہیں، اُسی قدر ہم کو خوشی ہوتی ہے۔"(13)

اس مقالے میں تین ایسے واقعات کا حوالہ دیا گیا ہے جن میں ہندو اور مسلمانوں کے درمیان محبت و اخلاص کا ثبوت فراہم ہوا۔ اور اس پر سر سیّد نے خوشی کا اظہار کیا:

1۔ عثمانی سلطان کی یونان پر فتح پانے کی خوشی میں مسلمانوں نے اکثر جگہ مجلسیں آراستہ کیں اور اپنے اپنے شہروں میں چراغاں روشن کیے اور سلطان کو مبارک باد کے تار بھیجے۔ دکن کے ہندووں نے بھی خوشی منائی اور سلطان کو مبارک باد کے تار بھیجے۔

2۔ بریلی میں مسلمانوں نے ہندووں کی خاطر گائے کی قربانی نہیں کی بلکہ بکروں اور بھیڑوں کی قربانی کی۔ ہندووں نے محرم کے زمانے میں سبیلیں لگانے اور مسلمانوں کے ساتھ غم میں شریک ہونے کا اقرار کیا۔

"ہماری بھی مدت سے یہی رائے ہے کہ اگر گائے کی قربانی ترک کرنے سے آپس میں ہندو اور مسلمانوں کی دوستی اور محبت قائم ہو تو گائے کی قربانی نہ کرنا اُس کے کرنے سے ہزار درجہ بہتر ہے۔"(14)

3۔ سول ڈویژن مانک پور گنج ضلع ڈھاکہ میں تعمیر مسجد کے لیے ہندو اور مسلمان دونوں نے مل کر کمیٹی بنائی ہے اور چندہ جمع کرنے میں دونوں تعاون کر رہے ہیں۔

اسی مقالے میں سر سیّد نے اعتراف کیا کہ "ہماری رائے میں جس طرح کہ اختلافِ مذہب۔ جیسا کہ مسلمانوں اور ہندووں میں ہے۔ سوشل برتاؤ اور باہمی محبت و اخلاص اور ایک دوسرے کی ہمدردی کا مانع نہیں ہو سکتا اُسی طرح پولیٹکل امور کا اختلاف بھی سوشل برتاؤ اور باہمی محبت و اخلاص اور ایک دوسرے کی ہمدردی کا مانع نہیں

International
Peer-Reviewed Journal
August 2020, Volume 1, Issue 3

ہے"۔ آگے سر سیّد اس امر کا اعلان کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ اس باہمی مفاہمت اور محبت و اخلاص کے مظاہرہ سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ مسلمان بھی کانگریس کے طرفدار ہو جائیں گے۔

"ہمارے نزدیک اس مقصد کا حاصل ہونا محالات سے ہے اور ملک کے انتظام اور امن میں نہایت خلل ڈالنے والا ہے۔ گو بعض ناعاقبت اندیش اور امور مملکت سے ناواقف اور ناشدنی باتوں پر یقین کرنے والے مسلمان ہندوؤں کی پالیسی میں شریک اور کانگریس کے جلسوں میں شامل ہو جاویں مگر عموماً مسلمان اس میں شریک نہیں ہو سکتے"۔(15)

قومیت کا تمدنی تناظر:

سماجی برتاؤ، عمرانی و ثقافتی تعامل کا یہی وہ پہلو ہے جس کو سامنے رکھ کر انہوں نے ہندو اور مسلمان کو ایک قوم کہا ہے۔ ملک کی تعمیر و ترقی میں تمام شہریوں کی حصہ داری اور ان کے یکساں حقوق کی رعایت ہو تو تمدنی اور دنیاوی اعتبار سے وہ سب ایک قوم ہیں گو ان کی خصوصیات اور امتیازات بھی ہیں:

"یاد رکھو کہ ہندو مسلمان اور عیسائی جو اسی ملک میں رہتے ہیں اِس اعتبار سے سب ایک ہی قوم ہیں۔ جب یہ سب گروہ ایک قوم کہے جاتے ہیں تو ان سب کو ملکی فائدہ میں، جو ان سب کا ملک کہلاتا ہے، ایک ہونا چاہئے۔"(16)

لاہور کی انڈین ایسوسی ایشن کے سامنے تقریر کرتے ہوئے سر سیّد نے قومی سالمیت اور اتحاد کے تناظر میں قوم کی تعریف کی اور فرمایا کہ مذہب سے بلند ہو کر ہندوستانی نفع اور نقصان میں یکساں شریک ہیں اور اس اعتبار سے سب ایک قوم ہیں:

International
Peer-Reviewed Journal
August 2020, Volume 1, Issue 3

لفظ قوم سے میری مراد ہندو اور مسلمان دونوں سے ہیں۔ یہی وہ معنیٰ ہیں جس میں میں لفظ نیشن کی تعبیر کرتا ہوں۔ میرے لیے یہ امر چنداں لحاظ کے لائق نہیں ہے کہ ان کا مذہبی عقیدہ کیا ہے --------ہم سب کے فائدے کے مخرج ایک ہی ہیں۔ یہی مختلف وجوہات ہیں جن کی بناپر میں ان دونوں قوموں کو جو ہندوستان میں آباد ہیں ایک لفظ سے تعبیر کرتا ہوں کہ ہندو، یعنی ہندوستان میں رہنے والی قوم۔ جس زمانہ میں میں قانونی کونسل کا ممبر تھا تو مجھ کو خاص اسی قوم کی بہبودی کی دل سے فکر تھی۔"(17)

خدائی قومی رشتہ:

سماجی ارتباط اور تمدنی و عمرانی اشتراک میں تمام اقوام و ملل کی حصہ داری ناگزیر ہے اور مذہبی نقطہ نظر سے مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ اس سماجی و تمدنی رشتے کو مستحکم کریں۔ سیرت طیبہ میں دور رسالت سے پہلے حلف الفضول میں رسول اللہ ﷺ کی شرکت اس کی واضح مثال ہے۔ آپ نے مدنی زندگی بھی اس طرح کے سماجی معاہدوں کی اہمیت اور معنویت تسلیم کی۔(18)

سر سیّد احمد خاں نے اپنے دورہ پنجاب میں آریہ سماجی ہندوؤں کی تبریک و تہنیت کے جواب میں لفظ قوم کی وہ تعریف کی جس میں سماجی ارتباط اور تمدنی اشتراک پر زور ہے۔ اُس جلسہ میں ہندوؤں نے سر سیّد کی اُن خدمات کی تحسین کی تھی جو انہوں نے امپیریل لیجسلیٹو کونسل کے رکن کی حیثیت میں انجام دی تھیں۔ اُسی سفر میں سر سیّد لدھیانہ پہنچے تو اُن کی تقریر میں سارا زور اس "خدائی قومی رشتہ" کو مستحکم بنانے پر تھا جو کلمہ توحید کی بناپر مسلمانوں کے اندر موجود ہے اس روحانی رشتہ کو فاضل خطیب نے تمام قومی سلسلوں اور قومی رشتوں پر بلند اور افضل قرار دیا۔ تمام اہل ایمان اخوت اور محبت کے نظریاتی رشتے میں منسلک ہیں اِسی نظریہ کی ترجمانی آگے چل کر شاعر اسلام محمد اقبالؔ نے کی۔

اپنی ملّت کو قیاس اقوام مغرب پر نہ کر

International
Peer-Reviewed Journal
August 2020, Volume 1, Issue 3

خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی
اُن کی جمعیت کا ہے ملک و نسب پر انحصار
قوتِ مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تری

لدھیانہ میں سر سیّد کی تقریر قوم کے مذہبی و روحانی عنصر پر زور دیتی نظر آتی ہے:(19)

"قوم کا لفظ ایک ایسا لفظ ہے جس کے معنوں پر کسی قدر غور کرنا لازم ہے۔ زمانہ دراز سے جس کی ابتدا تاریخی زمانہ سے بھی بالاتر ہے۔ قوموں کا شمار کسی بزرگ کی نسل میں ہونے یا کسی ملک کا باشندہ ہونے سے ہوتا تھا۔ محمد رسول اللہ ﷺ بأبی أنت و أمی نے اس تفرقہ قومی کو جو صرف دنیادی اعتبار سے تھا، مٹادیا اور ایک نیا رومانی رشتہ قومی قائم کیا جو ایک حبل المتین لا الٰہ الاّ اللہ محمد رسول اللہ سے مضبوط تھا۔ تمام قومی سلسلے، تمام قومی رشتے سب کے سب اِس رومانی رشتہ کے سامنے نیست و نابود ہو گئے اور ایک نیا رومانی، بلکہ خدائی قومی رشتہ قائم ہو گیا۔

"اسلام کسی سے نہیں پوچھتا کہ وہ ترک ہے یا تاجیک۔ وہ افریقہ کا رہنے والا ہے یا عرب کا۔ وہ چین کا باشندہ ہے یا ماچین کا۔ وہ پنجاب میں پیدا ہوا ہے یا ہندوستان میں۔ وہ کالے رنگ کا ہے یا گورے رنگ کا۔ بلکہ جس کسی نے عروۃ الوثقیٰ کلمہ توحید کو مستحکم کیا وہ ایک قوم ہو گیا، بلکہ ایک روحانی باپ کا بیٹا۔ کیونکہ خدا نے خود فرمایا ہے۔ ''

انما المؤمنون اخوة فاصلحوا بين اخويكم واتقوا الله لعلم ترحمون(20)

اسی تقریر میں سر سیّد اپنے ہم وطن بھائیوں کو بھی یاد کرتے ہیں اور تمدنی امور میں ان کے ساتھ ارتباط و تفاہم پر زور دیتے ہیں۔ بین مذہبی تفاہم سے زیادہ اہم بین مذہبی معاشرت، تعامل اور اشتراک و تعاون ہے اور اگر

International
Peer-Reviewed Journal
August 2020, Volume 1, Issue 3

ہم وطن اور ہم سایہ کے حقوق ادا کرنے لگیں اور سماجی و عمرانی معاملات میں اشتراک ہماری ترجیحات میں شامل ہو جائے تو قومی تنافر ختم ہو جائے۔ باہمی غلط فہمیاں دور ہو جائیں اور قومی یکجہتی و سالمیت کی راہ ہموار ہو جائے۔ وہ کہتے ہیں:

> "یہ بات ہم کو نہیں بھولنا چاہئیے کہ ان روحانی بھائیوں کے سوا اور بھی ہمارے ہم وطنی بھائی ہیں گو وہ ہمارے ساتھ اس کلمہ میں، جس نے ہم مختلف قوموں اور فرقوں کو ایک قوم اور آپس میں روحانی بھائی بنا دیا ہے، شریک نہیں ہیں، مگر بہت سے تمدنی امور ہیں جن میں ہم اور وہ مثل بھائیوں کے شریک ہیں۔ ہمسائے کا ادب ہمارے مذہب کا ایک جزو ہے اور یہی ہمسائیگی وسعت پاتے پاتے ہم ملکی اور ہم وطنی کی وسعت تک پہنچ گئی ہے"۔(21)

سیکولر اور سیکولرزم:

سرسیّد کے نظریہ قومیت پر میری یہ گفتگو سرسیّد اکیڈمی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے کانفرنس ہال میں 8/مئی 2018ء کو صبانی اجلاسِ عمل میں ہوئی۔ قومی سالمیت کے تئیں سرسیّد کے افکار و نظریات کے مباحثہ کے لئے پروفیسر علی محمد نقوی نے دوروزہ سمینار کا انعقاد کیا تھا جس کا مرکزی عنوان تھا:

Sir Syed's Contribution to National Integration and Inter-Religious Under Standing

International
Peer-Reviewed Journal
August 2020, Volume 1, Issue 3

میری گفتگو سمینار انتظامیہ کے ذریعہ فراہم کردہ نظریاتی خاکہ کے خلاف تھی۔ یہ علی گڑھ کی کشادہ فکری اور وسعت نظر کا کمال ہے کہ مختلف و متنوع اور بسا اوقات باہم متصادم افکار کو انگیز کیا جاتا اور حسن تحمل کا مظاہرہ کیا جاتا ہے۔ اربابِ علم وادب کی جانب سے فکر انگیز سوالات اور مدبّرانہ مباحث کا اٹھنا فطری تھا۔

ڈاکٹر تصدّق حسین شعبہ فلسفہ میں تدریس و تحقیق کا طویل تجربہ رکھتے ہیں۔ تنقیدی بصیرت کے ساتھ جرات و شہامت بھی اُن کا وصف ہے۔ وہ کسی علمی مذکرہ میں موجود ہوں تو اختلافِ رائے کا اظہار کرکے دوسرے موقف پر غور و فکر کرنے کی دعوت ضرور دیتے ہیں۔ میری گفتگو کا لب ولہجہ، قرآن وحدیث کے حوالے، اصلاح و تجدید کے سیاق میں سر سیّد پر گفتگو کرنے کا انداز۔ یہ سب اُن کے فکری و نظریاتی فریم میں ناموزوں تھے۔ آخر کار وہ بول ہی پڑے:

> "سر سیّد سیکولر اور سچّے قوم پرست مفکر تھے۔ قومی اتحاد و سالمیت انہیں سب سے زیادہ عزیز تھی۔ کانگریس کی مخالفت کی وجہ اُس کا فرقہ وارانہ اور جارحانہ نقطہ نظر نہ تھا بلکہ وہ مسلمانوں کو ہر سیاسی سرگرمی سے بچا کر تعلیم جدید کے لیے یکسو بنانا چاہتے تھے وغیرہ وغیرہ"۔

میں نے فاضل دانش ور کی اِس رائے کی حمایت کی کہ سر سیّد مسلمانوں کو کانگریس ہی نہیں ہر سیاسی جدوجہد سے علیحدہ رکھنا چاہتے تھے مگر میں نے صراحت کی کہ کانگریس کی جارحیت سے وہ کبیدہ خاطر تھے۔ تمام اقوام اور فرقوں کی نمائندگی کا حق وہ کانگریس کو دینے کے لیے تیار نہ تھے۔ پانیر میں 5/اپریل 1888ء کو شائع شدہ مراسلہ میں سر سیّد نے اپنے موقف کی جو صراحت کی تھی اُس کا ایک اقتباس میں نے پڑھ کر سنایا:

> "میرے ہندو ہم وطنوں اور بنگالی بھائیوں کو بھی بخوبی سمجھنا چاہئیے کہ میری حقیقی خواہش یہ ہے کہ ہندوستان کی تمام قومیں ایک دوسرے کے ساتھ امن و دوستی کی زندگی بسر کریں لیکن یہ دوستی اُس وقت تک قائم رہ سکتی ہے جب تک وہ ایک دوسرے کو محکوم بنانے کی

International
Peer-Reviewed Journal
August 2020, Volume 1, Issue 3

کوشش نہ کریں۔ بنگالیوں نے اور اس صوبہ (شمالی مغربی) کے تعلیم یافتہ ہندووں نے بھی یہی کھیل کھیلنا چاہا اور وہ توقع رکھتے ہیں کہ مسلمان اُن کے ساتھ ہو جائیں گے ایں خیال است و محال است و جنوں"۔(22)

سرسیّد کے سیکولر ہونے کا مطلب بعض لوگوں نے یہ لیا ہے کہ وہ وطنی تحریک کے دوسرے رہنماؤں کی طرح لامذہب تھے۔ یہ سرار غلط ہے اور سرسیّد کے سیکولر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اُن کی فکر میں فرقہ واریت نہ تھی۔ وہ تمام ہندوستانیوں کی فلاح و بہبود کو پیش نظر رکھتے تھے تو اس مفہوم کو اختیار کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اسلامی فکر خود کسی فرقہ واریت کو تسلیم نہیں کرتی۔ اس کا فلسفہ اور فکری و علمی نظام آفاقی ہے۔ ایک مسلمان اگر اپنے دین کا سچا پیرو ہے۔ ربُّ العالمین کا پرستار ہے ۔ رحمۃ لّلعالمین کا عاشق ہے تو وہ معتدل و متوازن فکر کا حامل ہو گا اور فرقہ واریت کے ہر شائبہ سے دور ہو گا۔ اُسے اپنے اعتبار و استناد کو ثابت کرنے کے لیے سیکولر جیسا کوئی لاحقہ لگانے کی ضرورت نہیں ہے۔

ڈاکٹر راحت ابرار ڈائرکٹر اردو اکیڈمی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، بانی تحریک، اُن کے معاصرین، مؤیّدین و مخالفین اور عمارات ادارہ کی تاریخ اور فلسفہ پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ تحریک آزادی ہند بھی ان کی علمی و فکری جولانیوں میں شامل ہے اُن کا تبصرہ میری گفتگو پر تاریخی نوعیت کا تھا۔ اُن کی نگاہ میں سرسیّد احمد خاں انڈین نیشنل کانگریس کے اکیلے مخالف نہ تھے۔ اس معاملے میں اربابِ علم وادب کی ایک قابل لحاظ تعداد اُن کی ہم نوا تھی۔

میں نے اُن کی رائے کی تائید کی۔ البتہ اُس پر اضافہ کیا کہ کانگریس کے مخالفین کا ایجنڈا مختلف تھا۔ اختلاف کے اسباب متنوع تھے۔ میں نے مشہور اہل سنت عالم مولانا حشمت علی لکھنوی (جو شیر بیشہ سنت کے نام سے معروف ہوئے) کا حوالہ دیا۔ کانگریس اور دوسری تمام تحریکوں کی مخالفت کے پیچھے اُن کا فکری جمود ور کود

International
Peer-Reviewed Journal
August 2020, Volume 1, Issue 3

کار فرما تھا۔ وہ کانگریس اور مسلم لیگ دونوں میں شرکت کو حرام قرار دیتے تھے۔ 1364ھ میں انہوں نے اپنے فتویٰ میں لکھا:

> ''ہر سنّی مسلمان پر شریعت مطہّرہ کی روشنی میں روشن ہے کہ مسلم لیگ کے اغراض و مقاصد صریح محرّکات شرعیّہ پر مشتمل اور حرام قطعی اور منجر باشد وبال ونکال وکفر وضلال ہیں اوراُن کے ہوتے ہوئے مسلم لیگ کی شرکت ورکنیت اور امداد واعانت بحکم شریعت مطہرہ اسی طرح گناہ ، ممنوع و حرام و ناجائز ہے جس طرح ندوہ و کانگریس کی شرکت ورکنیت و امداد واعانت شرعاً گناہ و حرام ہے''۔ (23)

دوسرا ممتاز نام مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ کا ہے۔ کانگریس اور مسلم لیگ دونوں سے اُن کے فکری و نظری اختلاف تھے۔ ان کے یہ اختلافات کتابی صورت میں شائع ہوچکے ہیں۔ انہوں نے آزادی وطن کی تحریکوں کو شک وشبہ کی نگاہ سے دیکھا اور مسلمانوں کی اُن میں شرکت کو موجب فساد تصور کیا۔ کانگریس کے مقاصد، پالیسی و پروگرام، سیاسی جدوجہد اور فکری مباحث پر اُن کے مضامین کا مجموعہ "تحریک آزادی ہند اور مسلمان" حصّہ اول کے نام سے شائع ہوچکا ہے۔ (24) اس کتاب کے دوسرے حصّہ میں مسلم لیگ پر مولانا مودودی کی تنقیدیں شامل ہیں۔ (25)

ہندوستانی قومیت کا بدلتا مفہوم:

پروفیسر علی محمد نقوی شیعہ تھیالوجی سے سبک دوش ہوچکے ہیں۔ آج کل سرسیّد اکیڈمی کے اعزازی ڈائرکٹر ہیں۔ اس سمیار کے منتظم اعلیٰ وہی تھے۔ علمی مذاکروں کا انعقاد سلیقے اور ریاضت سے کرتے ہیں۔ فکری توسع اور متانت اُن کا وصف ہے۔ سمینار کے مرکزی موضوع پر گفتگو اُس وقت بھی ہوئی تھی جب وہ ازراہِ

International
Peer-Reviewed Journal
August 2020, Volume 1, Issue 3

کرم دعوت نامے کے ساتھ تشریف لائے تھے۔ اُس وقت بھی میرا موقف سُننے کے بعد انہوں نے فرمایا تھا کہ علمی مذکروں میں مختلف آرا و نظریات کی پیش کش سے سامعین میں حرارت آجاتی ہے اور جب مباحثہ شروع ہوتا ہے تو محفل کی رونق بڑھ جاتی ہے۔ آج بھی میری گفتگو پر اُن کے دو ملاحظات بڑے اہم تھے۔

اُن کا اولین ملاحظہ ہندوستانی قومیت (Indian Nationalism) کے بدلتے مفہوم سے متعلق تھا۔ پروفیسر نقوی کا خیال تھا کہ قومیت کے عناصر ترکیبی، جو مغرب میں ایک سیاسی فکر اور نظریہ کے طور پر متعارف ہوئے تھے، اب اپنی معنویت کھو چکے ہیں۔ ہندوستان کے سیاسی حالات تبدیل ہوئے۔ سماجی و تعلیمی بیداری آئی اور عوامی شعور مستحکم ہوا تو اب قومیت کے معنیٰ رہ گئے وطن سے محبت کرنا، وطن کی تعمیر و ترقی میں تمام شہریوں کا برابر حصہ لینا اور زبان و خطہ اور مذہب و تہذیب کے فرق کے باوجود ملکی امور میں سارے شہریوں کی یکساں دلچسپی۔ علامہ اقبال نے قومیت کے سیاسی نظریہ کی تردید کی اور فرمایا

ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے

مگر اقبالؔ نے حبّ الوطنی کے ترانے گائے اور وطن سے محبت کرنے کی تعلیم دی۔ 'ترانہ ہندی' اُن کی معروف نظم ہے۔

سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا
ہم بُلبلیں ہیں اس کی یہ گلستاں ہمارا

قوم پرستی اور حبّ الوطنی کے درمیان انہوں نے جو فرق کیا تھا اُسی سے میں نے اپنے جواب کا آغاز کیا۔ حُبّ وطن ایک فطری داعیہ ہے۔ سر سیّد مرحوم نے اس فطری داعیہ کی حمایت و وکالت کی ہے اور اسلام بھی وطن سے محبت اور اس کی تعمیر و تشکیل میں حصہ داری کو ناگزیر تصور کرتا ہے لیکن مختلف قومیتوں کو ان کی

International
Peer-Reviewed Journal
August 2020, Volume 1, Issue 3

ثقافت، تاریخ اور اقدار و روایات سے علیحدہ کرکے ایک ایسی قوم تصور کرنا جس میں اُن کی انفرادیت تحلیل ہوجائے، سرسیّد کو منظور نہیں تھا۔ہندوستانی قومیت کی یہ جارحانہ تعریف آج اکیسویں صدی میں بھی موضوع بحث ہے۔

پروفیسر نقوی کا دوسرا ملاحظہ سرسیّد کے ہاں فکری ارتقا کی موجودگی سے متعلق تھا۔ یہ تمام اربابِ علم کے ہاں قدر مشترک کے طور پر موجود ہے۔ علم و معلومات میں اضافہ اور زمانے کے سرد گرم تجربات سے فکری ارتقا کا عمل ایک معلوم ومشاہد حقیقت ہے مگر سرسیّد آخری دم تک قومیت کی دونوں جہتوں کے معترف رہے۔ سماجی و تمدنی معاملات میں ہم وطنوں کے ساتھ اشتراک اُن کے نظریہ قومیت کا دنیادی اور عمرانی تناظر تھا اور کلمہ توحید کی بنیاد پر مسلمانوں کا تشخص اور اُن کی انفرادیت وہ خدائی رشتہ قومیت تھا جس کی وکالت انہوں نے زندگی کی آخری سانسوں تک کی۔ اس معاملہ میں کسی فکری ارتقاکا حوالہ بہت زیادہ موزوں اور برمحل محسوس نہیں ہوتا۔

پروفیسر ابوسفیان اصلاحی، شعبہ عربی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی نے ماہانہ تہذیب الاخلاق کی ادارت کی ذمہ داری نبھائی ہے اور اِدھر سالوں سے سرسیّد کے افکار و خدمات کو موضوع بحث بنائے ہوئے ہیں۔ اُن کی متعدد تخلیقات اس حوالے سے منظر عام پر آچکی ہیں۔ انہوں نے میرے نقطہ نظر کی تائید کی۔ وہ کسی معنوں میں بھی سرسیّد کو قوم پرست یا نیشنلسٹ ماننے کو تیار نہ تھے۔ انہیں مُحبّ وطن کہا جاسکتا ہے۔ قوم کا مسیحا بتایا جاسکتا ہے جنہوں نے مسلمانوں کے مفادات تک اپنی جدوجہد کو محدود نہیں رکھا بلکہ تمام ہندوستانیوں کے حقوق کے لیے جنگ لڑی۔ ان کا رویّہ، اُن کی ذہنیت، اُن کا فکر و عمل سب فرقہ واریت سے بلند تھا مگر قوم و وطن کو انہوں نے معبود کبھی نہیں بنایا۔ اصول پسندی، صداقت شعاری، حق نوازی اُن کی پہچان تھی۔

International
Peer-Reviewed Journal
August 2020, Volume 1, Issue 3

پروفیسر اصلاحی نے مزید کہا کہ سر سیّد کی آفاقی سوچ کی شہادت اِس وقعہ سے بھی ملتی ہے کہ غازی پور میں قیام کے دوران انہوں نے مولانا عنایت رسول چریاکوٹیؒ سے عبرانی سیکھی اور "خطبات احمدیہ" کی ترتیب میں رسول اللہ ﷺ کی آمد سے متعلق انجیل کی بشارتوں پر مشتمل بحث کی ترتیب میں اُن سے پورا استفادہ کیا۔

راقم نے پروفیسر اصلاحی کی تائید کی۔ تاہم اس پر یہ اضافہ کرنا ضروری سمجھا کہ مولانا مناظر احسن گیلانیؒ (1892-1956ء) نے سر سیّد احمد خاں کی تصنیف خطبات احمدیہ کے بعض مباحث کی طبع زاد حیثیت کو مشکوک قرار دیا ہے وہ غلط ہے۔ انہوں نے عبرانی زبان سے مولانا عنایت رسول چریاکوٹی (1828-1903ء) کی واقفیت کا تذکرہ کرتے ہوئے حضرت ہاجرہ سے متعلق عبرانی مآخذ کی مدد سے اُن کی تخلیقات کو خراج عقیدت پیش کیا ہے اور اُن کی تصنیف 'بشریٰ' کے بارے میں تحریر کیا ہے کہ اسے سر سیّد نے "خطبات احمدیہ کا جزو بنا کر شائع کر دیا ہے"۔(26)

پروفیسر ظفر احمد صدیقی شعبہ اردو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی تحقیق بتاتی ہے کہ مولانا چریاکوٹی کی تصنیف شیروانی پرنٹنگ پریس علی گڑھ سے (93- 1938ء) میں طبع ہوئی اور خطبات احمدیہ کا انگریزی ایڈیشن 1870ء میں اور اردو ایڈیشن 1877ء میں شائع ہو چکا تھا اس لئے مولانا گیلانی کا تبصرہ بداہتہً صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ البتہ پروفیسر صدیقی نے مولانا محمد امین چریاکوٹی سابق پروفیسر عربی ڈھاکہ یونیورسٹی کی رائے سے اتفاق ظاہر کیا ہے کہ سر سیّد نے خطبات احمدیہ کی تصنیف کے دوران 'بشریٰ' کے مصنف کا تعاون حاصل کیا تھا۔ (27)

اہل علم کے درمیان اس طرح کے مغالطے معمول کا حصہ بن چکے ہیں۔ اُن کی تحقیق اور تطہیر ضروری ہے تاہم تمام علماء و افاضل کا یکساں درجہ میں احترام ناگزیر ہے۔

International
Peer-Reviewed Journal
August 2020, Volume 1, Issue 3

ڈاکٹر گلفشاں خان شعبہ تاریخ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کا مشاہدہ تاریخی نوعیت کا تھا۔ وہ سرسید کے نظریہ قومیت کا مطالعہ اس تاریخی و سماجی تناظر میں کرنے پر زور دے رہی تھیں جس میں سرسیّد نے ایک خاص نقطہ نظر اختیار کیا۔ راقم نے کسی شخصیت کا مطالعہ کرتے وقت اس کے تاریخی و عمرانی تناظرات کو ذہن میں مستحضر رکھنے سے اتفاق کیا لیکن اس کے ساتھ ہی یہ گزارش کی کہ آج اُن افکار کی عصری معنویت کو تلاش کرنا ناگزیر ہے۔ یہ محض ایک تاریخ کا مطالعہ نہیں ہے کہ واقعات و حقائق کو ترتیب سے جمع کر دیا اور بری الذمّہ ہو گئے۔ سرسید کے دور میں کارفرما سماجی، سیاسی اور تمدنی عوامل کا مطالعہ کرنا اور آج کے عوامل سے ان کا تقابل کرنا ضروری ہے۔ آج کے حالات میں سرسیّد کے افکار کی افادیت اور تطابق دیکھنے کے لئے تنقیدی بصیرت ناگزیر ہے اور حق کو حق اور باطل کو باطل کہنے کی جرات بھی درکار ہے۔ انڈین نیشنل کانگریس کے بارے میں سرسیّد نے جس حکمت و فراست کے ساتھ مستقبل بینی کا مظاہرہ کیا تھا وہ آج سرکاری اعداد و شمار کے مطالعہ سے بھی جگ ظاہر ہے۔ آزادی کے بعد سے مسلسل دہائیوں تک کانگریس کی حکومت میں اقلیتوں خاص طور سے مسلمانوں کی جو خانماں بربادی عمل میں آئی ہے وہ سچّر کمیٹی کی سفارشات کی شکل میں ایک حقیقت ہے۔ اس لئے اہل علم اور دانش وروں کو معروضی مطالعہ کی عادت اور کلچر کو اختیار کرنا چاہئیے اور تنقید و احتساب کی روش سے اجتناب نہیں کرنا چاہئیے۔ اسی لئے تو اقبالؔ کہہ گئے ہیں:

فریب خوردہ منزل ہے کارواں ورنہ
زیادہ راحتِ منزل سے ہے نشاطِ رحیل
نظر نہیں تو مرے حلقہ سخن میں نہ بیٹھ
کہ نکتہ ہائے خودی ہیں مثالِ تیغِ اصیل

International
Peer-Reviewed Journal
August 2020, Volume 1, Issue 3

پروفیسر سیّد عزیزالدین حسین ہمدانی، جامعہ ملّیہ اسلامیہ نئی دہلی کے شعبہ تاریخ کے قدیم استاد، محقق اور مصنّف رہے ہیں۔ اسلامی تاریخ پر اِستاد کا درجہ رکھتے ہیں اور آج دوروزہ سمینار کے اس اجلاس عمل کی صدارت بھی وہی کررہے تھے۔(28)اور صدر کے بارے میں معروف ہے کہ اُن کا پروٹوکول ہر جگہ مسلّم ہے کہ مستند ہے میرا فرمایاہوا

مگر میری گفتگو پر تبصرہ کرتے ہوئے انہوں نے فرمایا کہ سرسیّد کی فکر کو شیخ احمد سرہندیؒ کے ورثہ سے منسوب کرنا محل نظر ہے۔ افتتاحی تقریب میں پروفیسر علی میر کی تقریر کا بھی انہوں نے محاکمہ کیا۔ اُن کے خیال میں داراشکوہ (1615-1659) کے فلسفہ مجمع البحرین سے سرسیّد کی فکر اور فلسفہ کے تانے بانے ملتے ہیں تصوف داراشکوہ سے فکر سرسیّد کو مربوط کرنا پروفیسر ہمدانی کا اپنا کمال ہے اوراُن کی اپنی قوت فکر کی پرواز۔ امام فخرالدین رازیؒ، امام ابوحامد الغزالیؒ، امام ابن تیمیہؒ اور محدث شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے حوالے جابجا مقالات سرسیّد میں ملتے ہیں۔ اُن کی تفسیر قرآن اور خطبات احمدیہ جیسی شاہکار تصانیف اُن کے منصوبہ اصلاح وتجدید کی ترجمانی کرتی ہیں مگر اِن میں سے کسی کے فکر وفلسفہ کا اثر سرسید پر انہیں دکھائی نہیں دیتا۔ انہیں سرسیّد کی فکر میں اگر کسی کی ترجمانی دکھائی دی تو داراشکوہ کی۔ خوب وزشت کا فلسفہ اقبال بھی ملاحظہ کیجئے۔

ستارگانِ فضاہائے نیل گوں کی طرح
تخیّلات بھی ہیں تابعِ طلوع وغروب
جہاں خودی کا بھی ہے صاحبِ فرازونشیب
یہاں بھی معرکہ آراہے خوب سے ناخوب
نمود جس کی فرازِ خودی سے ہو،وہ جمیل

Aligarh Journal Of Interfaith Studies (AJIS) 2020@Copyright AJIS

International
Peer-Reviewed Journal
August 2020, Volume 1, Issue 3

جو ہو نشیب میں پیدا، قبیح و نا محبوب

حواشی و تصریحات:

پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی نے شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ سے استفادہ کرنے والے اصحاب کے دو طبقے کیے ہیں۔

(الف) روایتی اصحاب فکر و علم جو نقل و روایت پر اکتفا کرتے ہیں۔

(ب) اربابِ دانش جو اپنے وجدان و فکر، عقل و ادراک کو بھی بروئے کار لاتے ہیں اور شاہ ولی اللہ کے فکر و فن پر تنقیدی نگاہ ڈالتے ہیں اور ان کے قائم کردہ نشاناتِ راہ کی رہنمائی میں اسلامی فکر میں اضافہ، توسیع اور تعظیم کرتے ہیں۔

سر سیّد فکر اسلامی کی پروردہ عبقریاتِ فکر ولی اللّٰہی کے طبقہ دوم میں شامل ہیں۔

دیکھئے "شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور سر سیّد – ایک تقابلی مطالعہ"، مجلّہ علوم اسلامیہ کا خصوصی شمارہ "سر سیّد اور علوم اسلامیہ"، ادارہ علوم اسلامیہ، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، مارچ 2001ء، ص112

تفصیل کے لیے دیکھئے سیّد ابوالاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز نئی دہلی، مارچ 2017ء، جلد پنجم، ص422- 423

(نفس مصدر، ص424

مقالات سر سیّد، مرتب محمد اسماعیل پانی پتی، حصّہ پانزدہم (متفرق مضامین)، طبع اوّل دسمبر 1963ء مجلس ترقی ادب لاہور، ص345

نفس مصدر، ص346

نفس مصدر، ص347

نفس مصدر، ص348

Aligarh Journal Of Interfaith Studies (AJIS) 2020@Copyright AJIS

International
Peer-Reviewed Journal
August 2020, Volume 1, Issue 3

بخاری محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب الادب، باب صلۃ المراۃِ امَّھا ولھا زوج، ص560۔ یہ روایت باب صلۃ الوالد المشرک، حدیث 918 میں بھی موجود ہے۔ اس میں حدیث کے آخر میں یہ اضافہ ہے کہ ابن عیینہ کہتے ہیں کہ اس واقعہ کے بعد اللہ نے سورہ الممتحنہ کی آیت 8 لاینھاکم۔۔۔۔۔۔نازل کی۔

بخاری محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب الادب، باب صلۃ الاخ المشرک، حدیث 919

مجموعہ لیکچرز سر سیّد احمد خاں، ترتیب: محمد سراج الدین لاہور، 1892ء، ص215

Source Materiel for the Freedom Movement,vd.11.pp.67-68

عتیق صدیقی، حوالہ بالا، ص062-261

مقالات سر سیّد، جلد 15، حوالہ بالا، ص42

نفس مصدر، ص42-43

نفس مصدر، ص44

مجموعہ لیکچرز، حوالہ بالا، ص167

نفس مصدر، ص199

جدید سیرت نگاری میں تکثیریت کی رعایت اور حلف الفضول جیسے واقعات سیرت کی عصری معنویت کے لئے دیکھیے:

Fahad Obaidullah, Tracing Phralistic Trends in Sirah Literature: A Study of Some Contemporary Scholass, Islamic Studies, Vol. 50 No 2, Summer 2011, pp. 217-243

International
Peer-Reviewed Journal
August 2020, Volume 1, Issue 3

(19)مقالات سر سیّد، جلد پنجم، حوالہ بالا، ص167-168

(20)قرآن کریم، الحجرات:10

اس آیت کا ترجمہ یہ ہے۔

"مومن تو ایک دوسرے کے بھائی ہیں، لہٰذا اپنے بھائیوں کے درمیان تعلقات کو درست کرو اور اللہ سے ڈرو، اُمید ہے کہ تم پر رحم کیا جائے گا۔"

(21)مقالات سر سیّد، جلد پنجم، حوالہ بالا، ص170

(22)عتیق صدیقی، حوالہ بالا، ص265-267

(23)فتاویٰ اہل السُّنہ لکدِّاھل الفتنہ، ترتیب: غلام حسین قادری، کانپور، ص2

(24)مودودی سیّد ابوالاعلیٰ، تحریک آزادی ہند اور مسلمان، حصہ اول، ترتیب: پروفیسر خورشید احمد، اسلامک پبلی کیشنز لمٹیڈ لاہور، جولائی 1987ء، صفحات 494

دلچسپ بات یہ ہے کہ کتاب کے فاضل مرتب پروفیسر خورشید احمد نے مولانا مودودی کو تحریک پاکستان کا نظری و علمی وکیل قرار دیا ہے۔ پاکستان میں سیاسی حالات کا دباؤ خواہ کچھ ہو مولانا مودودی نے ہر طرح کی قوم پرستی کی مخالفت کی خواہ وہ ہندو قوم پرستی ہو یا مسلم قوم پرستی۔ اُن کا موقف ایک نظریاتی اسلامی ریاست کے لیے واضح اور مدلّل تھا۔ خود فاضل مرتب نے اعتراف کیا ہے کہ مسلم لیگ کی جدوجہد میں مولانا مودودیؒ نے شرکت نہیں کی۔ اس کے تین اہم اسباب انہوں نے شمار کرائے ہیں:

(الف) ایک اسلامی ریاست کے لیے صرف سیاسی جنگ کافی نہیں ہے، اخلاقی و تہذیبی، علمی و فکری ہر حیثیت سے قوم کو تیار کرنا ضروری ہے۔

(ب) تحریک کی ہمہ گیر اور اس کے ہر شعبہ اور سطح کی قیادت کے انتخاب میں پوری احتیاط سے کام لینا ضروری ہے۔

International
Peer-Reviewed Journal
August 2020, Volume 1, Issue 3

(ج) مسلمانوں کی بنیادی حیثیت ایک اصولی جماعت اور داعی گروہ کی ہے اور کسی قیمت پر بھی یہ حیثیت متاثر نہیں ہونی چاہئیے۔ دیکھئے حوالہ بالا، ص19-20 (تقدیم)

(25) تحریک آزادی ہند اور مسلمان حصہ دوم (جو "مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش حصہ سوم" اور اضافوں پر مشتمل ہے)، اسلامک پبلی کیشنز پرائیویٹ لمٹیڈ لاہور (مرتب: پروفیسر خورشید احمد)، جولائی 1987ء، صفحات 408

(26) گیلانیؒ مناظر احسن، مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت، ندوۃ المصنّفین دہلی، 1363ھ/1944ء، جلد دوم، ص38

(27) دیکھئے پروفیسر ظفر احمد صدیقی کا مضمون "خطباتِ احمدیہ – ایک قابل قدر عملی کاوش"، خطبات احمدیہ کا مطالعہ (مقالات سمینار کا انتخاب)، ترتیب: ڈاکٹر عبید اللہ فہد اور پروفیسر سیّد لطیف حسین شاہ کاظمی، سیرت کمیٹی علی گڑھ یونیورسٹی 1437ھ / ص69- 73

(28) ایک دلچسپ مشاہدہ اس اجلاسِ عمل میں یہ ہوا کہ جناب صدر سے پہلے پروفیسر ابوالکلام قاسمی مشہور اردو ادیب اور دانش ور ڈائس پر تشریف لائے اور جناب صدر کی پیشگی اجازت حاصل کر کے فاضل مقالہ نگاروں پر تبصرہ کرنا شروع کر دیا حالانکہ اُن کا نام مقالہ خوانوں میں شامل تھا۔ ممکن ہے کہ مقالہ تیار نہ رہا ہو اور منتظمین کے اصرار کے سامنے انہوں نے سر تسلیم خم کر دیا ہو اور اپنی حاضری درج کرا کے "خیال خاطر احباب" کے تقاضوں پر عمل کیا ہو۔ طرفہ تماشا یہ ہوا کہ قومی سالمیت اور مذہبی مفاہمت کے مرکزی موضوع کو نظر انداز کر کے انہوں نے سر سیّد کے "ورد آف گاڈ" اور "ورک آف گاڈ" میں تطابق کے نظریہ کی تفصیل بیان کرنا شروع کر دی اور حسب معمول ایڈورڈ سعید کی معروف زمانہ کتاب اور نیٹلزم کے محتویات پر بحث چھیڑ دی۔ قہر درویش بر جان درویش۔ وہ سینئر قلم کار ہیں اور مستند ادیب اس لئے اُن کا ہر رویّہ واجب تسلیم ہے۔

Aligarh Journal Of Interfaith Studies (AJIS) 2020@Copyright AJIS

International
Peer-Reviewed Journal
August 2020, Volume 1, Issue 3

Aligarh Journal Of Interfaith Studies (AJIS) 2020@Copyright AJIS